ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1968

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ —شعبہ قرآن وتفسیر

کورس: منتخب قرآنی آیات کا تفسیری ادب کی روشنی میں تقابلی کا مطالعہ -1 (1968)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر: 6تا9)

کل نمبر: 100 —کامیابی کے نمبر: 50

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

اہم وضاحت: اس مشق میں تفسیر بیان القرآن (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) سمیت جن تفاسیر کی طرف رجوع کرنے کو کہا گیا ہے، ان کے مضامین یہاں نصابی مطالعے کی روشنی میں اپنے الفاظ میں خلاصے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں؛ یہ کسی تفسیر کے ہو بہو اقتباسات نہیں ہیں۔ طالب علم اصل تفسیر اور نصابی کتاب سے براہِ راست مطالعہ ضرور کرے۔ اعتقادی و فقہی آراء کا بیان خالصتاً علمی و تعلیمی ہے؛ کسی فرد یا معاملے پر حکم کا اطلاق اہلِ علم کا کام ہے۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 31 اور 32 کے شانِ نزول کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا دعویٰ لکھتے ہوئے تفسیر "بیان القرآن" کی روشنی میں ان کے دعویٰ کی وضاحت کیجیے۔ (20)

تعارف

سورۃ آل عمران کی آیات 31 اور 32 محبتِ الٰہی، اتباعِ رسول اور اطاعت کی بنیادوں پر مستقل تعلیم آیات ہیں۔ آیت 31 میں فرمایا گیا: "کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا"۔ آیت 32 میں فرمایا گیا: "کہہ دیجیے: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا"۔ سوال یہ ہے کہ ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کیا تھا اور تفسیر بیان القرآن نے اس دعویٰ کی کیا وضاحت کی ہے۔ یہ موضوع اتنا اہم ہے کہ آیت 31 کو "المحنہ" یعنی آزمائش کی آیت کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ہر دعوائے محبت کو پرکھنے کی کسوٹی دیتی ہے۔

دعویٰ: یہود و نصاریٰ کا پس منظر

یہود کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کے پسندیدہ اور اس کے "بیٹے" و "احباء" ہیں، یعنی ان کی اللہ سے خصوصی محبت و قرب کا تعلق نسب و قومیت کی بنیاد پر قائم ہے، جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ان کے اس قول کا ذکر آیا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اس دعویٰ کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنی قومی برتری کے نشے میں انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کرتے رہے اور ہر نئے رسول کی دعوت کو بھی اپنی قومیت کی کسوٹی سے پرکھتے رہے۔ نصاریٰ کا دعویٰ دو طرفہ تھا: ایک یہ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور یہی محبت اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے؛ دوسرا وفدِ نجران کے پس منظر میں یہ کہ ان کے عقیدے میں تثلیث اور ابنیت جیسے نظریات اسی محبت کی توجیہ کے طور پر پیش کیے جاتے تھے۔ سورۃ آل عمران کا آغاز ہی نجران کے نصاریٰ وفد کے مکالمے کے پس منظر میں ہوا ہے، اس لیے ان آیات کا رخ دونوں گروہوں کی طرف سمجھا جاتا ہے۔

دونوں دعوؤں میں قدر مشترک یہ تھی کہ محبت کو عمل و اطاعت سے الگ ایک دعویٰ اور شناخت بنا لیا گیا تھا۔ یہود کے ہاں محبت قومی ورثہ تھی اور نصاریٰ کے ہاں عقیدے کے مخصوص الفاظ و رسوم۔ دونوں میں وہ عملی اتباع غائب تھی جس کا مطالبہ ہر رسول اپنے زمانے میں کرتا آیا ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں آیات 31 و 32 نازل ہوئیں اور محبت کا اصل معیار مقرر کر دیا گیا۔

شانِ نزول کی روایات کا خلاصہ

مفسرین نے ان آیات کے شانِ نزول میں کئی روایات نقل کی ہیں جن کا مفہوم قریب قریب ایک ہے۔ بعض روایات کے مطابق کچھ اہلِ کتاب، خصوصاً یہود، کہتے تھے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ہم سے محبت کرتا ہے؛ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ محبت کا ثبوت محمد ﷺ کا اتباع ہے۔ بعض کے مطابق نجران کے نصاریٰ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم و محبت اسی لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی محبت کا تقاضا ہے؛ اس پر انہیں بتایا گیا کہ اللہ کی سچی محبت کا راستہ اس کے آخری رسول کی اتباع ہے۔ بعض روایات میں قریش و مشرکین کا ذکر بھی ہے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے مگر رسول کی اطاعت سے انکار کرتے تھے۔ شانِ نزول کی کثرت کا فائدہ یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہو گیا: ہر دور کا ہر وہ دعوائے محبت اس آیت کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا جو اتباع سے خالی ہو۔

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں وضاحت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن اردو کی مستند اور اصلاحی تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔ اس تفسیر کے مزاج کے مطابق اس مقام کی وضاحت کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ آیت نے محبت کی حقیقت کھول دی: محبت ایک قلبی کیفیت ضرور ہے مگر اس کی پہچان اطاعت و اتباع ہے؛ محبوب کی رضا کے خلاف چلنے والا محبت کا دعویدار اپنے دعوے میں سچا نہیں ہو سکتا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی محبوبیت کا انعام اتباع پر رکھا گیا ہے، یعنی بندے کی محبت کو پہل سمجھا گیا تو جزا کے طور پر اللہ کی محبت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا گیا۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی کمزوری یہ تھی کہ وہ محبت کو اپنے سابقہ مرتبے کا حق سمجھتے تھے، جبکہ آیت بتاتی ہے کہ مرتبہ ہر دور میں اس دور کے

رسول کی اتباع سے ملتا ہے؛ تورات و انجیل کے دور میں ان انبیاء کی اتباع معیار تھی اور اب محمد ﷺ کی اتباع معیار ہے۔ یہ نوٹ تعلیمی خلاصہ ہے، اصل عبارات کے لیے طالب علم بیان القرآن کا مطالعہ کرے۔

بیان القرآن کے انداز میں آیت 32 کی وضاحت یہ بھی ہے کہ اطاعت کو محبت کے بعد الگ تاکید سے بیان فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اتباع کوئی وقتی جذبہ نہیں بلکہ مستقل طرزِ زندگی ہے۔ ”فان تولوا“ کی سخت تعبیر بتاتی ہے کہ جب دلیل و محبت کی دعوت کے بعد بھی کوئی روگردانی کرے تو مسئلہ معلومات کی کمی کا نہیں، ماننے کی نیت کا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مفسر اس طرف بھی متوجہ کرتے ہیں کہ آیت نے محبت، اتباع، مغفرت اور اطاعت کو ایک زنجیر میں پرو دیا ہے: محبت دعویٰ ہے، اتباع اس کا ثبوت، اطاعت اس کی عملی صورت اور مغفرت و محبوبیت اس کا پھل۔ اس ترتیب کو ذہن میں رکھ کر سوال کا جواب منظم طور پر لکھا جا سکتا ہے۔

جدول 1: دعوائے محبت اور قرآنی کسوٹی کا تقابل

آیت 31 و 32 کی وضاحت	یہود و نصاریٰ کا دعویٰ (خلاصہ)	پہلو
اتباعِ رسول، خواہ کسی قوم سے ہو	نسب، قومیت یا سابقہ مرتبہ	محبت کی بنیاد
اطاعت و فرمانبرداری کی زندگی	زبانی دعویٰ اور رسوم	محبت کا ثبوت
اتباع پر وعدہ شدہ انعام و مغفرت	پیدائشی و موروثی حق	اللہ کی محبوبیت
اتباع سے منہ پھیرنا ناپسندیدگی کا سبب	اپنے مرتبے کی بنا پر استثناء کا گمان	روگردانی کا حکم

اس بحث سے حاصل ہونے والے اسباق

اس موضوع سے کئی دائمی اسباق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ دینی دعوے ہمیشہ عمل کی کسوٹی پر پرکھے جائیں گے؛ مدرسے، جماعت یا خاندان کی نسبت محبت کی دلیل نہیں، دلیل اتباع ہے۔ دوسرا سبق یہ کہ امتِ مسلمہ کو بھی یہی آیت مخاطب کرتی ہے، کیونکہ محض نبی ﷺ کی محبت کے نعرے کافی نہیں، ان کی سنت پر چلنا ہی اصل محبت ہے۔ تیسرا

سبق دعوت کا اسلوب ہے کہ قرآن نے مخالفین کے دعوے کو جھٹلانے کے بجائے اس کا صحیح معیار پیش کر دیا؛ یہی روش آج کی بین المذاہب گفتگو میں بھی کارگر ہے۔ چوتھا سبق یہ کہ مغفرت کا دروازہ اتباع سے کھلتا ہے، یعنی اصلاح کا راستہ گذشتہ غلطیوں پر اصرار سے نہیں بلکہ سمت بدلنے سے ملتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ کی محبت و قرب کا دعویٰ نسب و عقیدے کے الفاظ کی سطح پر کرتے تھے۔ آیات 31 و 32 نے اس دعوے کا فیصلہ اس اصول سے کر دیا کہ محبت کا ثبوت اس زمانے کے رسول کی اتباع و اطاعت ہے۔ بیان القرآن کی روشنی میں اس مباحثے کا حاصل یہ ہے کہ اتباع ہی محبت کی جان ہے، اس پر اللہ کی محبت و مغفرت کا وعدہ ہے، اور اس سے روگردانی بندے کو اللہ کی ناپسندیدگی کے قریب کر دیتی ہے۔

سوال نمبر 2

سوال نمبر 2۔ پسندیدہ اور محبوب مال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ محبوب ترین مال کی پہچان اور معیار کیا ہے؟ نیز اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کے فوائد تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

مال انسان کی بنیادی ضرورت بھی ہے اور اس کا بڑا امتحان بھی۔ قرآن مجید نے مال کو "زندگی کا سہارا" قرار دیا مگر ساتھ ہی اس کی محبت کو فتنہ بھی کہا۔ اس سوال کا تعلق سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 92 سے ہے جس میں فرمایا گیا: "تم نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک تم اس (مال) میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے"۔ سوال کے تین حصے ہیں: پسندیدہ و محبوب مال کے بارے میں حکم، محبوب ترین مال کی پہچان و معیار، اور اللہ کے راستے میں خرچ کے فوائد۔ ذیل میں تینوں حصے الگ عنوانات میں بیان کیے جاتے ہیں۔

پسندیدہ و محبوب مال کے بارے میں حکم

آیت 92 کا حکم یہ ہے کہ کامل نیکی، جسے قرآن "البر" کہتا ہے، اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک انسان اپنے پسندیدہ و محبوب مال میں سے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرے۔ مفسرین وضاحت کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ محبوب مال کا خرچ کرنا فرض ہے اور اس کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں؛ مطلب یہ ہے کہ نیکی کا اعلیٰ درجہ اس قربانی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص صرف فالتو، بے کار یا ناپسندیدہ چیزیں دے کر مطمئن ہو جائے، وہ نیکی کے ادنیٰ درجے پر ہے۔ دوسری آیتوں میں بھی یہی اصول بیان ہوا ہے کہ اے ایمان والو، اپنے پاکیزہ کمائی والے مال میں سے خرچ کرو اور اس ناپسندیدہ چیز کا ارادہ نہ کرو جسے تم خود لینا پسند نہ کرو (البقرہ: 267)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لیے بہترین دینا مطلوب ہے، کیونکہ لینے والا انسان دکھائی دیتا ہے مگر اصل قبول کرنے والا اللہ ہے۔

صحابہ کرام نے اس آیت کو سن کر اس پر فوری عمل کیا، جس سے حکم کی روح سمجھ آتی ہے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا سب سے پیارا باغ "بیر حاء"، جو مسجد نبوی کے سامنے تھا اور جس کا میٹھا پانی انہیں بہت محبوب تھا، اللہ کے راستے میں پیش کر دیا؛ نبی کریم ﷺ نے اسے "نفع بخش مال" کہہ کر سراہا اور مشورہ دیا کہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کی بہترین زمین اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی محبوب لونڈی کی آزادی جیسے واقعات اسی آیت کے تاثر میں نقل کیے جاتے ہیں۔ ان واقعات سے یہ اصول نکلتا ہے کہ محبوب چیز کی قربانی نفس پر بھاری پڑتی ہے، یہی بھاری پن اس کی قدر و قیمت ہے۔

محبوب ترین مال کی پہچان اور معیار

محبوب ترین مال کی پہچان کے لیے مفسرین و شارحین نے چند معیارات بیان کیے ہیں۔ پہلا معیار یہ ہے کہ وہ چیز انسان کے دل کو واقعی عزیز ہو، اسے دیتے ہوئے دل میں قدرے تنگی محسوس ہو، کیونکہ آزمائش وہی ہے جو دلی محبت کے مقابلے میں ہو۔ دوسرا معیار یہ ہے کہ مال حلال و پاکیزہ ہو؛ حرام یا مشکوک مال کا خرچ کرنا مقبول نہیں، کیونکہ اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول کرتا ہے۔ تیسرا معیار یہ ہے کہ چیز اپنی نوعیت میں اچھی و کارآمد ہو، ٹوٹی ہوئی یا ناقابلِ استعمال نہ ہو؛ قرآن نے اسی لیے "طیبات" سے خرچ کا حکم دیا ہے۔

چوتھا معیار یہ ہے کہ مال انسان کی حقیقی ملکیت میں ہو اور وہ اس پر اختیار رکھتا ہو۔ پانچواں معیار نیت و طریقہ ہے کہ خرچ ریاکاری سے پاک ہو، محتاج کو ذلیل نہ کیا جائے اور اگر دائیں ہاتھ دے تو بائیں کو خبر نہ ہو، کیونکہ اخلاص ہی خرچ کو "محبوب مال کی قربانی" بناتا ہے۔

جدول 1: محبوب ترین مال کی پہچان کے معیارات

معیار	وضاحت
دل کی محبت	چیز واقعی عزیز ہو، دینے میں دلی کشمکش ہو
حلال و پاکیزہ	مال شرعی طور پر حلال اور طیب ہو
عمدگی و نفع	چیز اچھی حالت میں اور لینے والے کے کام کی ہو
حقیقی ملکیت	خرچ کرنے والا اس مال کا مالک و مختار ہو
خلوص و آداب	ریا سے پاک، محتاج کی عزتِ نفس کا لحاظ

پہچان کی ایک عملی علامت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ انسان اپنے محبوب مال کو وہی سمجھے جسے ضائع ہونے پر اسے سب سے زیادہ افسوس ہو اور جسے وہ اپنے لیے منتخب کرے تو بہترین منتخب کرے۔ گھر کے لیے بہترین اور اللہ کے نام پر بے کار چیز دینا اسی دوہرے معیار کی نشانی ہے جس کی اصلاح آیت نے کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ محبوبیت نسبتی ہوتی ہے: غریب کا محبوب مال اس کی حیثیت کے مطابق معمولی رقم بھی ہو سکتی ہے مگر اس کی قربانی کا وزن اس کی نسبت سے بڑا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ایک درہم کے لاکھ درہم پر سبقت لے جانے کا ذکر ہے کیونکہ دینے والے کے کل مال سے اس کا تناسب زیادہ تھا۔

اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کے فوائد

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فوائد قرآن و حدیث میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ اخروی فوائد میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ خرچ کیا ہوا مال سات سو گنا تک بڑھا کر لوٹایا جاتا ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں دانے کی مثال دی گئی ہے کہ ایک دانے سے سات بالیں اور ہر بال میں سو دانے نکلتے ہیں۔ یہ خرچ قیامت کے دن سایہ بنے گا، قبر کی وحشت میں ساتھی ہو گا اور میزان میں وزن پیدا کرے گا۔ احادیث میں صدقے کو اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے اور بری موت سے بچانے کا ذریعہ بھی بتایا گیا ہے۔ دنیاوی فوائد میں یہ ہے کہ خرچ کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے اور کمی کا ظاہری خوف ختم ہو جاتا ہے؛ حدیث میں قسم کھا کر فرمایا گیا کہ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا۔ نفسیاتی فوائد میں بخل و حرص کا علاج، دل کی نرمی، دوسروں کی خوشی میں شرکت کا احساس اور حسد و خود غرضی سے نجات شامل ہیں۔

اجتماعی فوائد کی فہرست بھی طویل ہے۔ باقاعدہ خرچ سے غربت کم ہوتی ہے، محتاج کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، طلبہ و مریضوں کی مدد ہوتی ہے اور معاشرے میں باہمی ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ زکاۃ و صدقات کا نظام دولت کی گردش قائم رکھتا ہے اور دولت کے ارتکاز سے پیدا ہونے والی معاشرتی کشمکش کو کم کرتا ہے۔ جس معاشرے میں امیر اپنے محبوب مال میں سے دیتا ہے وہاں طبقاتی نفرت کم ہوتی ہے اور غریب کے دل میں نظام کے لیے خیر خواہی پیدا ہوتی ہے۔ روحانی ماہرین یہ نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ خرچ کرنے والا خود مال کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے: مال اس کے ہاتھ میں رہتا ہے، دل میں جگہ نہیں پاتا؛ یہی آزادی تزکیہ نفس کی بنیاد ہے۔ لہٰذا فوائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خرچ کرنے والا دیتا انسان کو ہے مگر پاتا اللہ سے ہے، دنیا میں برکت و سکون اور آخرت میں بڑھا ہوا اجر۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ نیکی (البر) کا حکم یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب و پسندیدہ مال میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرے؛ محبوب ترین مال کی پہچان یہ ہے کہ وہ دل کو عزیز، حلال و پاکیزہ، عمدہ و نافع اور خلوص کے ساتھ دیا جائے؛ اور اس خرچ کے فوائد اجر کی کثرت، مال کی برکت، دل کی صفائی اور معاشرتی فلاح کی صورت میں دنیا و آخرت دونوں میں حاصل ہوتے ہیں۔

سوال نمبر3

سوال نمبر3۔ قبل از اسلام عربوں کی حالت کیا تھی؟ نیز کس انقلاب نے عرب کی کایاپلٹ دی جامع جواب تحریر کیجیے۔(20)

تعارف

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے عرب معاشرے کو تاریخ میں "ایامِ جاہلیت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جاہلیہ سے مراد محض ناخواندگی نہیں بلکہ علمِ وحی سے محرومی کی وجہ سے پیدا ہونے والا عقیدے، اخلاق اور معاشرت کا بگاڑ ہے۔ اس سوال میں پہلے اسی دور کی حالت کا جامع جائزہ لینا ہے، اور پھر یہ بتانا ہے کہ وہ کون سا انقلاب تھا جس نے چند ہی دہائیوں میں عرب کی کایاپلٹ کر اسے دنیا کی قیادت کے مقام پر کھڑا کر دیا۔ یہ تقابل قرآن و سیرت کے مطالعے کا مرکزی موضوع ہے، کیونکہ اس سے اسلام کی اصلاحی قوت کا اصل اندازہ ہوتا ہے۔

قبل از اسلام عربوں کی دینی حالت

دینی لحاظ سے عرب کا بڑا حصہ شرک میں مبتلا تھا۔ کعبہ، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحیدی یادگار تھا، اس کے گرد بت رکھ دیے گئے تھے اور ہر قبیلے کا اپنا بت و معبود تھا۔ عرب اللہ کو خالق و رازق تو مانتے تھے مگر عبادت، قربانی، نذر اور دعا میں بتوں کو وسیلہ اور شریک بنا لیتے تھے۔ ان کے ہاں فال گیری، کہانت، ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ اور جنات کی پرستش جیسی خرافات عام تھیں۔ یہودیت و عیسائیت جزیرے کے بعض کناروں پر موجود تھی مگر وہ بھی قبائلی نظام کے سامنے بے اثر ہو چکی تھی اور خود تحریف و گروہ بندی کا شکار تھی۔ مجوسیت اور ستارہ پرستی کے اثرات بھی سرحدی علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ مجموعی صورت یہ تھی کہ وحی کی روشنی سے کٹا ہوا معاشرہ توہمات کا جنگل بن چکا تھا، جس میں ہر قبیلے اور ہر خاندان کے اپنے رسم و رواج ہی دین کی جگہ لے چکے تھے۔

معاشرتی واخلاقی حالت

معاشرتی لحاظ سے قبائلی عصبیت عرب کی سب سے بڑی بیماری تھی۔ قبیلے کی حمایت حق وناحق ہر صورت میں لازم سمجھی جاتی تھی، معمولی باتوں پر دہائیوں تک جنگیں چلتی تھیں، جیسے بسوس اور داحس وغبراء کی جنگیں تاریخ میں مشہور ہیں۔ عورت کی حالت نہایت پسماندہ تھی: بعض قبائل میں بیٹی کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، وراثت میں عورت کو حصہ نہیں ملتا تھا بلکہ وہ خود وراثت میں تقسیم ہوتی تھی، اور بیوہ کو سوتیلے بیٹے کی زوجیت میں دے دیا جاتا تھا۔ سود خوری، شراب نوشی، جوا اور راہزنی عام برائیاں تھیں۔ غلاموں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہوتا تھا۔ تاہم اسی معاشرے میں کچھ خوبیاں بھی موجود تھیں جنہیں انکار نہیں کیا جا سکتا: مہمان نوازی، وعدے کی پاسداری، سخاوت، بہادری اور شاعری وفصاحت کا ذوق۔ اسلام نے ان خوبیوں کو ختم نہیں کیا بلکہ انہیں درست سمت دے کر محفوظ کر لیا، اور برائیوں کی جڑ کاٹ دی۔ یہ امتیاز اس انقلاب کی حکمت کو سمجھنے کے لیے اہم ہے۔

سیاسی ومعاشی حالت

سیاسی لحاظ سے جزیرہ عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی۔ مکہ وطائف جیسے شہر قبائلی سرداروں کے مشورے سے چلتے تھے، یمن وسرحدی علاقے روم وفارس کے زیر اثر آتے جاتے رہتے تھے۔ قانون نام کی کوئی چیز نہ تھی؛ طاقت ہی دلیل تھی اور بدلہ ہی انصاف۔ معاشی لحاظ سے تجارت، خصوصاً مکہ کے موسمی قافلے، معیشت کی ریڑھ کی ہڈی تھی مگر اس کے ساتھ سود خوری نے کمزور کو مزید کمزور کر رکھا تھا۔ پیمانوں میں کمی، راہزنی اور قافلوں کی لوٹ مار سے تجارت غیر محفوظ تھی۔ خواندگی کی شرح بہت کم تھی، لکھنے پڑھنے والے گنے چنے افراد تھے، اور علم کا ذریعہ زبانی روایت وشاعری تک محدود تھا۔ مجموعی طور پر عرب اس دور میں دنیا کی مہذب قوموں کی نظر میں ایک پسماندہ اور بکھرا ہوا خطہ تھا، جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ عنقریب دنیا کی دو بڑی سلطنتوں کے مقابل کھڑا ہو گا۔

وہ انقلاب جس نے کایا پلٹ دی

عرب کی کایا پلٹنے والا انقلاب کوئی سیاسی بغاوت یا معاشی پالیسی نہیں تھی بلکہ بعثتِ محمدی ﷺ اور قرآن مجید کی ہدایت کے ذریعے آنے والا فکری و روحانی انقلاب تھا۔ اس انقلاب کا پہلا نکتہ توحید ہے: ”لا الہ الا اللہ“ نے سیکڑوں دیوتاؤں کی جگہ ایک خدا کا تصور دے کر انسان کو انسانوں اور بتوں کی غلامی سے نکال کر صرف خالق کے سامنے جھکنا سکھایا۔ اسی ایک عقیدے نے قبائلی برتری کی بنیاد توڑ دی، کیونکہ ایک خدا کے ماننے والے سب بندے برابر ہو گئے۔ دوسرا نکتہ اخوت و مساوات ہے: حجۃ الوداع کے خطبے میں عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فضیلت کی نفی کر کے تقویٰ کو واحد معیار مقرر کیا گیا۔ تیسرا نکتہ علم کی ترغیب ہے: پہلی وحی کا پہلا لفظ ”اقرأ“ اور قلم کی قسم نے اس امت کو علم کی طرف موڑ دیا جس میں خواندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔

اس انقلاب کے عملی مراحل بھی قابلِ توجہ ہیں۔ مکی دور کے تیرہ سال میں عقیدہ و کردار کی تعمیر ہوئی؛ صبر، سچائی اور اللہ پر بھروسے والے افراد تیار ہوئے۔ ہجرت کے بعد مدینے میں مواخات کے ذریعے مہاجر و انصار کو بھائی بنا کر قبائلی عصبیت کا عملی خاتمہ کیا گیا، مسجد کو عبادت، تعلیم و مشاورت کا مرکز بنایا گیا، میثاقِ مدینہ کے ذریعے کثیر المذاہب ریاست کا پہلا تحریری دستور دیا گیا، اور زکاۃ و صدقات کے نظام سے معیشت کو عدل کی طرف موڑا گیا۔ عورت کو وراثت، مہر اور عزت کا حق ملا، بیٹی کی پرورش فضیلت قرار پائی، غلام آزاد کرنا بڑی نیکی ٹھہرا اور سود و شراب و جوا حرام قرار پا کر معاشرتی برائیوں کی جڑیں کٹ گئیں۔ یہ انقلاب مسلسل تربیت سے آیا، اچانک جبر سے نہیں؛ اسی لیے یہ پائیدار ثابت ہوا۔

جدول 1: قبل و بعد کا تقابلی خلاصہ

شعبہ	قبل از اسلام	اسلامی انقلاب کے بعد
عقیدہ	شرک، بت پرستی، خرافات	توحید اور وحی کی بنیاد پر عقیدہ
معاشرت	قبائلی عصبیت، عورت و غلام کی پستی	اخوت، مساوات، عورت کو حقوق

ریاست، دستور (میثاق مدینہ) اور شوریٰ	طاقت کا قانون، کوئی مرکزی نظام نہیں	سیاست و قانون
زکاۃ، حرمت سود، محفوظ تجارت	سود، لوٹ مار، غیر محفوظ تجارت	معیشت
اقرأ و قلم کی ترغیب، علم کا فروغ	خواندگی تقریباً معدوم	علم

کایاپلٹ کے نتائج

اس انقلاب کے نتائج غیر معمولی رفتار سے سامنے آئے۔ ایک نسل کے اندر وہ قبائل جو آپس میں لڑتے رہے تھے، ایک امت بن کر روم و فارس جیسی سپر طاقتوں کے سامنے کھڑے ہو گئے، مگر ان کی اصل فتح علاقوں کی نہیں، دلوں کی تھی: جہاں وہ گئے وہاں عدل، امانت اور علم لے کر گئے۔ مدینہ سے شروع ہونے والی علمی روایت چند صدیوں میں بغداد، قرطبہ اور سمرقند کے علمی مراکز میں ڈھل گئی۔ معاشرتی سطح پر وہ عورت جو زندہ دفن ہوتی تھی، ماں کی صورت میں جنت کا دروازہ بن گئی؛ غلام بلال حبشی رضی اللہ عنہ مؤذنِ رسول بنے۔ تاریخ کا کوئی اور انقلاب اس قدر کم مدت میں اس قدر ہمہ گیر تبدیلی کی مثال پیش نہیں کرتا، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ انقلاب انسان کی اندرونی دنیا سے شروع ہوا تھا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ قبل از اسلام عرب شرک و خرافات، قبائلی عصبیت، عورت و غلام کی پامالی، سود و شراب اور سیاسی انتشار کا شکار تھا، البتہ اس میں سخاوت، مہمان نوازی اور جرات جیسی خوبیاں موجود تھیں۔ اس کی کایا پلٹنے والا انقلاب بعثتِ محمدی ﷺ کا وہ تربیتی انقلاب تھا جس نے توحید، اخوت، علم اور عدل کی بنیاد پر فرد، خاندان اور ریاست سب کو بدل کر رکھ دیا اور ایک پسماندہ خطے کو دنیا کی قیادت کے قابل بنا دیا۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4۔ گروہ بندی اور اختلاف کی ممانعت کے احکامات بیان کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اہمیت وضرورت تحریر کیجیے۔(20)

تعارف

امت کی وحدت اور اللہ ور سول کی اطاعت دو ایسے موضوع ہیں جن پر قرآن مجید نے بار بار اور بڑی تاکید سے گفتگو کی ہے۔ سورۃ آل عمران میں جہاں "اعتصام بحبل اللہ" کا حکم آیا ہے وہیں "ولا تفرقوا" کی ممانعت ہے، اور اسی سلسلے آیات میں اطاعتِ الٰہی و اطاعتِ رسول کو نجات کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ سوال کے دو حصے ہیں: گروہ بندی اور اختلاف کی ممانعت کے قرآنی احکامات بیان کرنا، اور اللہ و اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت وضرورت واضح کرنا۔ یہ دونوں حصے دراصل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، کیونکہ تفرقہ ہمیشہ اطاعت سے انحراف سے پیدا ہوتا ہے اور وحدت اطاعت ہی سے قائم رہتی ہے۔

گروہ بندی اور اختلاف کی ممانعت کے احکامات

اس موضوع کی مرکزی آیت سورۃ آل عمران کی آیت 103 ہے جس میں تین حکم دیے گئے ہیں: سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو، تفرقہ نہ ڈالو، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اسی سورت کی آیت 105 میں واضح تنبیہ ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے روشن دلائل آجانے کے بعد تفرقہ اور اختلاف کیا، ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ سورۃ الانعام آیت 159 میں اعلان ہے کہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ سورۃ الروم میں مشرکین کی صفات میں یہ بھی گنوایا گیا کہ انہوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور ہر گروہ اپنے پاس موجود (جزوی) چیز پر مگن ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گروہی خوشی و تعصب تفرقے کی جڑ ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں "اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ" کہہ کر دین قائم کرنے اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنے کا حکم تمام انبیاء کی مشترکہ وصیت کے طور پر پیش ہوا ہے۔

ممانعت کی ان آیات کی تشریح میں مفسرین نے چند نکات بیان کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ ممانعت اس اختلاف کی ہے جو ہویٰ پرستی، ضد اور فرقہ واریت سے پیدا ہو، کیونکہ ایسا اختلاف حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی جماعت کو توڑتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اجتہادی و فروعی مسائل میں اہل علم کا علمی اختلاف امت میں ہمیشہ رہا ہے اور علماء نے اسے رحمت و وسعت قرار دیا ہے؛ اس کی شرائط یہ ہیں کہ وہ دلیل پر مبنی ہو، اہلِ علم کے دائرے میں رہے اور اسے جماعت شکنی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ تیسرا یہ کہ تفرقے کا اصل نقصان دینی کمزوری ہے: سورۃ الانفال میں فرمایا گیا کہ آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، یعنی اجتماعی قوت و رعب ختم ہو جائے گا۔ ان نکات سے ممانعت کا دائرہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذموم تفرقہ وہ ہے جو دین کی بنیادوں پر امت کو بانٹے، نہ کہ محض رائے کا علمی اختلاف۔

جدول 1: تفرقہ کی ممانعت کی نمایاں آیات

مضمون کا خلاصہ	حوالہ
حبل اللہ کو جماعت کے ساتھ تھامنے کا حکم، تفرقے کی ممانعت اور الفت کو نعمت قرار دینا	آل عمران: 103
دلائل کے بعد اختلاف و تفرقہ کرنے والوں کے لیے سخت وعید	آل عمران: 105
دین کو ٹکڑے کرنے والوں سے براءت کا اعلان	الانعام: 159
گروہ بندی اور اپنے حصے پر اترانا مشرکین کی صفت کے طور پر	الروم: 31-32
آپس کے جھگڑے سے قوت و رعب کے خاتمے کی تنبیہ	الانفال: 46

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اہمیت

اطاعتِ الٰہی و اطاعتِ رسول کو قرآن نے ایمان کی شرط اور نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ سورۃ النساء آیت 59 میں فرمایا گیا: اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی بھی؛ پھر اگر کسی چیز میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اس ایک آیت نے پورا نظام دے دیا: بنیادی اطاعت اللہ و رسول کی، انتظامی اطاعت اولی الامر کی مشروع حدود میں، اور اختلاف کا فیصلہ وحی کی طرف رجوع سے۔ سورۃ آل عمران آیت 132 میں اطاعت کو رحمت کا ذریعہ کہا گیا، اور یہ وعدہ بھی آیا کہ جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔ اس کے برعکس نافرمانی کو فتنے اور عذاب سے خبردار کیا گیا ہے۔

حدیث میں یہ اصول اس طرح بیان ہوا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اطاعت کی اہمیت کے عقلی و معاشرتی پہلو بھی واضح ہیں۔ انسانی معاشرہ کسی مرکزی مرجع کے بغیر نہیں چل سکتا؛ ہر فرد اپنی رائے کو حتمی سمجھ لے تو نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ شریعت نے یہ مرکز اللہ و رسول کی وحی کو بنا کر انسانی خواہشات کی حاکمیت ختم کی اور ایک ایسا پیمانہ دے دیا جو ہر زمانے اور ہر طبقے کے لیے یکساں ہے۔ اطاعت سے فرد میں تربیت پیدا ہوتی ہے، نفس کی من مانی کم ہوتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھروسا قائم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عبادات بھی اجتماعی نظم سے جڑی ہیں: جماعت کی نماز، رمضان کا اجتماعی ماحول اور حج کا عالمی اجتماع سب اطاعت و وحدت کی عملی مشق ہیں۔

اطاعت کی ضرورت اور تفرقے کا علاج

سوال کے دونوں حصوں کو جوڑنے والا نکتہ یہ ہے کہ تفرقے کا علاج اطاعت ہے۔ جب امت کے تمام گروہ اپنے مسائل کا فیصلہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کر کے کریں تو اختلاف دلائل کی صحت مند بحث رہتا ہے، فرقہ واریت نہیں بنتا۔ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اطاعت کا مفہوم ٹھیک سمجھا جائے: اطاعت اندھی تقلید کا نام نہیں بلکہ جان بوجھ کر اللہ و رسول کے حکم کو اپنے فیصلوں پر مقدم رکھنے کا نام ہے، اور اولی الامر کی اطاعت بھی "معروف" یعنی شریعت کے دائرے میں ہوتی ہے، گناہ کے حکم میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث کا معروف اصول ہے۔ اس توازن سے نہ انتشار پیدا ہوتا ہے نہ ظلم کی اطاعت لازم آتی ہے۔

عصر حاضر میں اس ضرورت کی شدت مزید بڑھ گئی ہے، کیونکہ میڈیا اور گروہی شناختوں نے ہر چھوٹے اختلاف کو بڑا بنا کر پیش کرنے کا ماحول بنا دیا ہے۔ اس صورت حال میں طالب علم اور عام مسلمان کے لیے عملی راہ یہی ہے کہ وہ بنیادی عقائد و فرائض پر اجتماع کو مقدم رکھے، فروعی مسائل میں وسعت و احترام کا رویہ اپنائے، بحث میں دلیل اور ادب کو لازم رکھے اور ہر تنازع میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کو شعار بنائے۔ اس طرح اطاعت محض نظریہ نہیں رہتی بلکہ امت کی وحدت کی زندہ حفاظت بن جاتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے گروہ بندی اور مذموم اختلاف سے بار بار منع کیا ہے اور اسے کمزوری اور عذاب کا سبب بتایا ہے، جبکہ علمی و اجتہادی اختلاف اپنی شرائط کے ساتھ الگ چیز ہے۔ اس تفرقے کا علاج اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، کیونکہ ایک ہی مرکز کی طرف رجوع کرنے والی امت کبھی ٹکڑوں میں نہیں بٹتی۔ اطاعت ایمان کی شرط، رحمت و رفاقتِ صالحین کا وعدہ اور اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5۔ لفظ "حبل اللہ" کا معنی و مفہوم اور اہمیت بیان کرتے ہوئے عصر حاضر میں مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے کونسا لائحہ عمل اپنانا چاہیے وضاحت کیجیے۔ (20)

تعارف

لفظ "حبل اللہ" سورۃ آل عمران کی مشہور آیت نمبر 103 سے لیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا: "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا"، یعنی سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔ یہ آیت امت کی وحدت کی سب سے جامع بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ سوال کے تین حصے ہیں: حبل اللہ کا معنی، اس کا مفہوم و اہمیت، اور عصرِ حاضر میں مسلمانوں کو متحد کرنے کا لائحہ عمل۔ یہ موضوع صرف تاریخی نہیں بلکہ آج کی امت کے سب سے بڑے مسائل میں سے ہے، اس لیے اس کا جواب علمی بنیاد کے ساتھ عملی نقشے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

حبل اللہ کا لغوی معنی

"حبل" عربی میں رسی کو کہتے ہیں، اور اسے سبب و واسطے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ رسی وہ ذریعہ ہے جسے تھام کر انسان کنویں یا بلندی سے نکلتا ہے اور جس کے سہارے چیزیں آپس میں بندھی رہتی ہیں۔ قرآن نے اس لفظ کو مجازاً اس ذریعے کے لیے استعمال کیا ہے جو بندے کو اللہ سے جوڑے اور امت کو آپس میں باندھے۔ رسی کی مثال اس لحاظ سے نہایت بلیغ ہے کہ رسی کے دھاگے الگ الگ کمزور ہوتے ہیں مگر بل کھا کر ایک ہو جائیں تو بوجھ اٹھا لیتے ہیں؛ بالکل اسی طرح افراد الگ الگ کمزور ہیں مگر حبل اللہ پر جمع ہو جائیں تو اجتماعی قوت بن جاتے ہیں۔ اسی آیت میں "اعتصام" کا حکم دیا گیا ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے پکڑنا اور اسی کو اپنی حفاظت بنا لینا۔

حبل اللہ کا مفہوم: مفسرین کی آراء

مفسرین نے حبل اللہ کی تعیین میں کئی اقوال نقل کیے ہیں جو حقیقت میں ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ حدیث میں قرآن کو "حبل اللہ المتین" یعنی اللہ کی مضبوط رسی کہا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینِ اسلام اور اس کی شریعت ہے، یعنی پورا نظامِ ہدایت۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مراد اللہ کا عہد و میثاق ہے جو اس نے بندوں سے لیا ہے۔ چوتھا قول بعض مفسرین نے یہ نقل کیا ہے کہ حبل اللہ سے مراد جماعتِ مسلمین ہے، یعنی اہل ایمان کا قرآن و سنت پر مجتمع ہونا۔ ان اقوال کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ حبل اللہ وہ قرآن و سنت پر مبنی دین ہے جس پر عملاً جمع ہونا امت کو جوڑتا ہے؛ قرآن متن ہے، سنت اس کی تشریح اور جماعت اس کا عملی مظہر۔ کسی ایک پہلو کو لے کر باقی کو چھوڑ دینا آیت کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔

حبل اللہ کی اہمیت

حبل اللہ کی اہمیت اسی آیت کے اگلے حصے سے واضح ہوتی ہے جس میں اللہ نے اپنی نعمت یاد دلائی کہ اے اہل مدینہ، تم باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحدت دنیاوی و اخروی نجات کی شرط ہے: وحدت نہ ہو تو امت دشمنی کی آگ میں گرتی ہے، اور وحدت حبل اللہ کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ مفادات و نسلوں کے رشتے عارضی ہوتے ہیں۔ دوسری اہمیت یہ

ہے کہ حبل اللہ امت کو انحراف سے بچاتا ہے؛ جب فیصلے کا مرجع وحی ہو تو ہر نسل نئے حالات میں بھی اصل سے جڑی رہتی ہے۔ تیسری اہمیت یہ ہے کہ اجتماعی عبادات و معاملات سب اسی مرکز سے مربوط ہوتے ہیں، اس لیے یہ لفظ معاشرے کے پورے نظام کا عنوان بن جاتا ہے۔

عصر حاضر کی صورت حال کا مختصر جائزہ

عصر حاضر میں مسلمانوں کی پراگندگی کی وجوہات میں فروعی اختلافات کو بنیاد بنانا، مسلکی و لسانی عصبیت، قومی مفادات کو دینی وحدت پر مقدم کرنا، باہمی بدگمانی اور معتبر مشترکہ اداروں کی کمی شامل ہیں۔ اس کے نتائج ظاہر ہیں: امت اپنی آبادی و وسائل کے باوجود عالمی فیصلوں میں کمزور ہے، کئی خطوں میں مظلوم مسلمانوں کے لیے مؤثر آواز نہیں اٹھ پاتی اور نوجوان نسل شناخت کے بحران کا شکار ہے۔ یہ جائزہ مایوسی کے لیے نہیں، اس لیے ہے کہ لائحہ عمل انہی وجوہات کو سامنے رکھ کر بنایا جائے؛ مرض کی تشخیص درست ہو تو علاج بھی درست سمت میں ہوتا ہے۔

اتحاد کے لیے لائحہ عمل

لائحہ عمل کی پہلی بنیاد مشترکہ اساس پر اتفاق ہے: کلمہ طیبہ، قرآن و سنت، ارکانِ اسلام اور امت کے مسلّمہ عقائد وہ بنیاد ہیں جن پر سب متفق ہیں؛ اتحاد کا آغاز انہی مشترکات کو سامنے رکھنے سے ہو۔ دوسری بنیاد فروعی اختلاف میں وسعت کا رویہ ہے: اجتہادی مسائل میں دوسری رائے کو برداشت کرنا، مساجد و دروس میں پھیلاؤ پیدا کرنے والے موضوعات سے گریز کرنا اور مناظرہ بازی کی بجائے علمی مکالمے کو فروغ دینا۔ تیسری بنیاد ادارہ جاتی تعاون ہے: علماء، جامعات اور رفاہی تنظیموں کے مشترکہ فورمز، زکاۃ و فلاح کے منصوبوں میں اشتراک اور آفات کے وقت مشترکہ امدادی کام، کیونکہ عملی اشتراک دلوں کو جوڑتا ہے۔ چوتھی بنیاد تعلیم و میڈیا کی ذمہ داری ہے: نصاب میں اخوت و وحدت کے اسباق، سوشل میڈیا پر نفرت انگیز مواد کی حوصلہ شکنی اور مثبت مشترکہ بیانیے کی تشہیر۔

پانچویں بنیاد قیادت و عوام دونوں کا کردار ہے: دینی قیادت اتحاد کے فتوے و پیغامات دے، سیاسی قیادت امت گیر مسائل میں کم از کم مشترکہ آواز پیدا کرے اور عوام خرید و فروخت، ہمسائیگی اور سماجی تعلقات میں مسلکی تفریق کو راستہ نہ دیں۔ چھٹی بنیاد نوجوانوں کی تربیت ہے: انہیں اسلام کی جامع تصویر دی جائے تاکہ وہ گروہی شناختوں کی بجائے

امت کی شناخت اپنائیں۔ یہ لائحہ عمل راتوں رات نتیجہ نہیں دے گا، مگر انہی تدریجی اقدامات سے وحدت فضا سے حقیقت بنتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ اصول بھی یاد رہے کہ

اتحاد کا مطلب اختلافِ رائے کا خاتمہ نہیں بلکہ اختلاف کے باوجود جوڑے رہنے کا سلیقہ ہے؛ یکسانیت ممکن نہیں، وحدت ممکن ہے۔

جدول 1: اتحادِ امت کے لائحہ عمل کا خلاصہ

مرحلہ	اقدام	متوقع نتیجہ
بنیاد	مشترکہ عقائد/ارکان کو مرکز بنانا	نظریاتی یکجہتی
رویہ	فروعی اختلاف میں وسعت و برداشت	فرقہ وارانہ کشیدگی میں کمی
ادارے	علماء و تنظیموں کے مشترکہ فورمز و رفاہی اشتراک	عملی تعاون اور اعتماد
تعلیم و میڈیا	اخوت کے اسباق، نفرت انگیز مواد کی حوصلہ شکنی	نئی نسل کی صحت مند شناخت
قیادت	امت گیر مسائل پر مشترکہ آواز	عالمی سطح پر مؤثر موقف

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

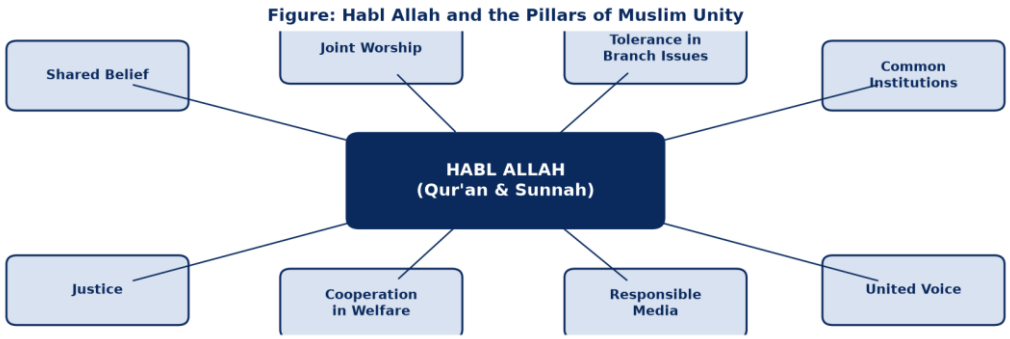

شکل 1: حبل اللہ اور اتحادِ امت کے ستون

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حبل اللہ کا معنی اللہ کی مضبوط رسی ہے جس سے مراد قرآن و سنت پر مبنی دین اور اس پر امت کا اجتماع ہے؛ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہی وحدت دشمنی سے بھائی چارے اور ہلاکت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ عصر حاضر میں اتحاد کا لائحہ عمل یہ ہے کہ مشترکات کو بنیاد بنایا جائے، فروعی اختلاف میں وسعت رکھی جائے، ادارہ جاتی و رفاہی تعاون بڑھایا جائے اور تعلیم و قیادت اسی مقصد کے لیے استعمال ہوں؛ یہی آیت اعتصام کا عملی تقاضا ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com